Regd. No. A [illegible]
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ چھ روپے
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر:- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ ۔ ۸ اگست ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۳۰

میسور کے اردو افسانہ نگار

رفعت زہرہ

ہماری زبان میں آپ نے پنجابی، گجراتی، تیلگو وغیرہ زبانوں کے افسانوں اور ناولوں اور ان کے لکھنے والوں کے بارے میں پڑھا ہے۔ میں آپ کو میسور کے اردو افسانہ نگاروں اور ان کے افسانوں کے بارے میں کچھ بتاؤں گی۔ میسور اسٹیٹ میں تین زبانیں بولی اور لکھی جاتی ہیں۔ کنڑی، اردو اور انگریزی۔ ان تینوں زبانوں کو ہمارے افسانہ نگاروں نے اپنایا ہے کنڑی میں، تاتا سو۔ آنند۔ نرنجن، سلیم تمنائی۔ ماستی وینکٹش اینگار۔ حتر لنگایا، اردو میں سہیل مرحوم، ممتاز شیریں، سلیم تمنائی۔ سعد شاہین۔ عصمت عذرا۔ راز آنند، نعیم اقبال۔ تجمل حسین، نور حسین۔ عادل وغیرہ، انگریزی میں آر۔ کے نارائن۔ نعیم اقبال وغیرہ مشہور افسانہ نگار ہیں۔ اب ہندی نے بھی کچھ قدم جمائے ہیں۔ سلیم تمنائی کے سوا کوئی قابل ذکر افسانہ نگار میری نظر سے نہیں گزرا۔

کنڑی اور انگریزی افسانہ نگاروں کے بارے میں انشا اللہ کسی اور صحبت میں میں آپ کو بتاؤں گی اب میسور کے اردو افسانے کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔ دنیا کی ہر زبان میں شاعری اور افسانہ محبوب ترین صنفیں ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں شاعری اور افسانہ جیسی مقبول ترین صنفیں نشان راہ کی حیثیت صرف اردو زبان میں حاصل کرتی ہیں۔ البتہ افسانوی میدان میں کوئی حریف یا حلیف بن سکتا ہے تو وہ بنگالی افسانہ ہے میسور کے اردو افسانہ نگاروں پر انگریزی کا براہ راست اثر پڑا۔ شمالی ہند کے اردو افسانے سے بھی وہ متاثر ہوئے۔ اس طرح ان کے نقش اول باوجود تکنیک پر پورے اترنے کے ان جانے ماحول کی داستانیں تھیں جیسے صادق حسین یا شرر صاحب کے تاریخی ناول۔ آسکر وائلڈ، او ہنری، موپساں۔ گورکی، چیخوف فلابیر، لارنس، منٹو۔ کرشن چندر۔ بیدی اور مفتی کے افسانوں اور ناولوں کے کردار ہمارے افسانوں میں نام اور لباس بدل کر آتے ہیں۔ تکنیک انھیں سنبھالتی۔ پہلی نظر میں جچتے۔ اس لئے کہ یہ کردار آخر جنوب کی طرح گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ فرق ہماری بوتل اور شراب غیر کا سا معاملہ تھا۔ یہ وقت تھا انگریزی اور اردو افسانے کی مقبولیت کا۔ رفتہ رفتہ تنقید نے ان افسانہ نگاروں کو اپنے گریبانوں میں منھ ڈالنے اور اپنے ماحول کو سمجھنے اور دیکھنے کا موقع دیا۔ اب ان کی تخلیق میں جان آگئی۔ سہیل مرحوم نے "تلخ، مسکراہٹ۔ تانگہ والا۔ شکست۔ ذکر اس پری وش کا، دو پھول تازہ" جیسی چیزیں پیش کیں۔ سہیل کی زبان میں روانی۔ رنگینی و شیرینی جاری و ساری ہے۔ ان کے افسانوں میں آنسو بھی ہیں اور تبسم بھی۔ وہ طبقاتی کشمکش سے متنفر تھے۔ ایک حد تک وہ مارکس کے نظریے کو ماننے والوں میں سے تھے۔ یہی نظریہ ان کے افسانوں میں جاری و ساری رہا۔

ممتاز شیریں پر انگریزی افسانے کا زیادہ اثر ہے۔ سہیل مرحوم کے رسالے "نقاد" میں انھوں نے ممتاز صمد کے نام سے کچھ ترجمے کئے تھے۔ پھر ترجموں ہی کی راہ انھوں نے مختلف شمالی ہند کے رسالوں میں جگہ پائی۔ طبعزاد افسانوں میں "آئینہ" "انگڑائی" "اپنی نگریا" "رانی" "دیپک راگ" اور "میگھ راگ" بہت مقبول ہوئے۔ آئینہ، انگڑائی اور رانی اپنے ماحول کی اچھی عکاسی کرتی ہیں۔ ویسے آئینہ۔ اناطول فرانس کے "میڈم سنتا سن" سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ لیکن نانی بی کا کردار جنوب کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔ گھریلو ماحول کی اچھی عکاسی آپ کے افسانوں میں ملتی ہے اور بقول عبادت بریلوی ممتاز شیریں ہند و پاکستان کی دوسری خواتین افسانہ نگاروں کے مقابلے میں زندگی کے صحت مندانہ

پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔

سلیم تمنائی (میر انجمن) کے افسانے اردو ہندی اور کنڑی تینوں زبانوں میں چھپے ہیں۔ اور اکثر آل انڈیا ریڈیو میسور سے نشر ہوئے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں زندگی جاری و ساری ہے۔ فنی اعتبار سے بھی آپ کے افسانے اونچے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں گھریلو ماحول کی اچھی خاصی عکاسی ہمیں ملتی ہے۔ "بھوکا پیٹ"، سفید پوش طبقے کی اچھی ترجمانی ہے۔ "خطا"، "منزل"، "سلامی"، "دل پاچھا"، "چکی اور دادا"، "موجوں کی لڑائی" (تضادات پر جو افسانوی ادب ہمیں اردو بنگالی، کنڑی اور دوسری زبانوں میں ملتا ہے ان میں یہ افسانہ ایک اچھا اضافہ ہے اور اپنی نوعیت کا انوکھا بھی) "مجسٹریٹ"، "چوہے"۔ "لڈو"، "میٹا پیالا"، "میرا" اور "لوٹ آ"، "سپنا میرا" "سلیم" کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ یعنی طبقاتی کشمکش سے بیزاری۔ دشمن دوستی کے مقابلہ۔ جہاں دوستی یعنی ساری دنیا اپنا وطن یا چمن ہے۔ ہر پرندے کو چہچہانے اور آزادانہ پرواز کا پیدائشی حق ہے۔ "توم" دوشمن کے الگ بت جب تک ہیں نفرت بھی جلوں میں ہے اور جنگ بھی۔ امن کوسوں دور ہے۔ بس ساری دنیا اپنی ہے۔ یہ چمن ہمارا رہتا ہے۔ رنگ و نسل کے باوجود سب ایک ہیں۔ "جیو اور جینے دو" جیسے صحت مندانہ پہلوؤں پر سلیم نے قلم اٹھایا ہے آپ کے افسانوں میں نفسیات کو خاصہ دخل رہا ہے ان کے ہاں نفسیاتی تجربوں کے ساتھ سماجی شعور کا اظہار بھی بڑا گہرا ملتا ہے۔

صمد شاہین، نیا دور سے پہلے "نقاد" میں "جاد تجالی" کے قلمی نام سے لکھا کرتے تھے۔ اکثر ترجمے میں نے پڑھے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں "طوات"، "بھولے بھٹکے"، "تو تیں" وغیرہ اچھے افسانے ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوانوں کا آلسی پن۔ تن آسانی، تجارت و محبت سے گریز اور ڈگری والی کے طوات کے لئے جوتوں کے تلے گھسنا (طوات) جنگ کسی کے لئے زحمت اور کسی کے لئے رحمت تھی۔ کتنے ہی بیکار نوجوانوں کا سہارا تھی۔ بھوکے پیٹ سونا نہیں پڑتا تھا کھا پی کر میدان جنگ میں کٹنا خودکشی سے بہتر تھا۔ (بھولے بھٹکے) "تو تیں" آلڈس ہکسلی کی مخصوص تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ "عنبر جاسوزی"، "اونچے محل"، اور "طلاق" کے پیچھے جو گہرا راز چھپا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان عادی چیزوں کو برداشت کرنے والی کوئی نہ کوئی کمزور ہستی سامنے ضرور ہوتی ہے۔ اس سماج میں بے ضرورت طلاق دینا کوئی بری بات نہیں۔ مرد دے بھی دیتا ہے۔ لیکن عورت اگر خلع پر تل جائے تو یہ انسانیت کے خلاف تصور کرتا ہے بغلیں جھانکتا ہے۔ جاوید ان دیکھی لڑکی اور شادی سے اپنے اصول (انٹرکیونل میرج) کی خاطر شادی کرنا چاہتا ہے لیکن تصویر دیکھ کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بھائی سے گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے۔ پرشوتم کا خط ملتا ہے۔ جس میں اظہار افسوس کے ساتھ یہ خوشخبری ہوتی ہے کہ لڑکی کا رشتہ کہیں اور طے ہوگیا۔ جاوید خاموش ہے۔ پھر کہتا ہے۔ "یہ میری توہین ہے"

عصمت عذرا:- نقادی کی پیداوار ہیں۔ "ملاقات"، "کریم بوڑھا"، جیسے نوعمری افسانے لکھنے کے بعد "کروٹ"، "راجو"، "فاقہ" اور اشتراکی جیسے افسانے پیش کئے۔ آپ کی زبان میں بڑی سادگی اور روانی ہے مارکسی فلسفے کی قائل نظر آتی ہیں۔ "کروٹ" "کردار نگاری کی قیمت" سے بڑا اچھا افسانہ ہے۔ احمد مل مزدور ہے۔ اس کی بے مقصد زندگی ایک ہی دائرے میں چکر لگا رہی ہے۔ مل کے مالک کی لڑکی کشمی کسی بات سے خوش ہوکر اسے اپنا نوکر بنانا چاہتی ہے۔ اس دن سے احمد میں ایک نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے کچھ بننے، آگے بڑھنے، اور کشمی کی نظر میں سمانے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے سیٹھ کی آنکھوں میں وہ کھٹکتا ہے۔ نوکری سے جواب مل جاتا ہے مگر جب وہاں سے نکلتا ہے تو اس کی رگ رگ میں اپنے آپ کو بنانے کی لگن ہے۔

نعیم اقبال کے اکثر افسانے انگریزی میں شائع ہوئے۔ سلیم تمنائی کے ایما پر انجمن اشاعت اردو میسور کے پندرہ روزہ کے ادبی جلسوں کے لئے اپنے تحقیقی مضامین اور افسانوں کا اردو میں ترجمہ کیا جو ہند و پاک کے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ "ماں"، "نمائش"، "چھین" "شمع جلتی رہی" وغیرہ آپ کے بہت اچھے افسانے ہیں۔ آپ کی زبان میں بڑی روانی اور طنز کی چاشنی ہے۔ آپ کے اکثر افسانے ایسی حقیقتیں ہیں جسے افسانہ نگار کی آنکھوں نے دیکھا۔ دل نے محسوس کیا اور چرکہ کھایا اور قلم نے لکھا۔ اکثر کرداروں کے نام تک اصلی ہیں۔ "نمائش"، اور "ماں" ان کے شاہکار افسانے ہیں "نمائش" میں ہر چیز کی نمائش ہوتی ہے۔ شریف اور مہذب نوجوان "غنڈوں" پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور خود ہائی کلاس غنڈے پن کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مجنوں اور فرہاد بنے پھرتے ہیں۔ ان کی اپنی مہذب پارٹی میں ایک انگریزی نوجی "بائرن" بھی شریک ہو جاتا ہے۔ پھر پروگرام اور پلان مرتب ہوتے ہیں۔ وہ حیدرآباد کی نمائش کے رومان پرور قصے سنا کر "رال ٹپکانے" پر مجبور کرتا ہے۔ ہم خیال دوست کو پاکٹ ہندوستانی دوست خوش ہیں لیکن ——— جب وہ میسور کی نمائش میں ہندوستانی دوستوں کے ساتھ رومان پر اتر آتا ہے کسی ہندوستانی لڑکی کے گالوں کا پوڈر اچک لیتا ہے تو افسانہ کے "ہیرو" "میں" کو برا لگتا ہے۔ "پریم اور ندیم مجھ پر آج بھی ہنستے ہیں۔ کیونکہ میں اب نمائش کبھی کبھار جاتا ہوں۔ کیوں؟ میں نہیں جانتا ——— "وکیل" زرینہ ہے۔ ایک شریف النفس لڑکی۔ اسے اپنے پیشے سے نفرت ہے کیونکہ وہ ماں کی طرح اپنے پیاروں سے سلوک کرتی ہے۔ محبت

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ہماری زبان

۸-اگست ۱۹۵۷ء

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

(۳)

کچھ معاصرین کا خیال ہے کہ انجمن کو اپنا علمی و ادبی پروگرام ختم کردینا چاہئے۔ اور صرف اردو کے تحفظ کی کوشش میں لگ جانا چاہئے۔ ان لوگوں کے نزدیک شعرا کے کلام کے صحیح ایڈیشن قدیم تذکرے، جدید تنقید، سوانح، تاریخ، فلسفہ، سائنس پر کتابیں چھاپنا بیکار ہے۔ ان خیالات کو دیکھ کر ہمیں ایک بزرگ یاد آگئے جو کہا کرتے تھے کہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں نئی کتابیں نہیں خریدنا چاہئیں، پہلے یہ اطمینان کرلینا چاہئے کہ پرانی کتابیں سب پڑھ لی گئیں۔ انجمن کی کتابوں کے متعلق کچھ لوگوں کو شکوہ ہے کہ یہ نہایت خشک ہوتی ہیں اور انھیں پڑھنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے ایسے لوگوں کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ سنسنی خیز رسالے اور چٹ پٹے ناول پڑھا کریں خوش قسمتی سے خشک علمی کتابوں کے پڑھنے والے بھی ہیں اور وہ تعداد میں کم سہی، مگر انھیں سے اہلیت کی آبرو قائم ہے۔ بعض لوگ دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ادبی کتابیں چھاپنے والے اور بھی ادارے ہیں انجمن کو کوئی اور ٹھوس کام کرنا چاہئے۔ گویا ادبی کتابیں چھاپنا ٹھوس کام نہیں ہے۔ انجمن اگر کچھ دکانیں بنوالے، کچھ کا یک منزلہ مکان بنواکر کرائے پر اٹھا دے تو اسے معقول آمدنی ہو سکتی ہے اور شاید اسی کو یہ لوگ ٹھوس کام سمجھتے ہیں مگر علمی و ادبی انجمنوں کی کامیابی ان کی آمدنی سے نہیں افادیت سے، ان کے بجٹ سے نہیں، ان کے ذہنی اور اخلاقی اثرات سے جانچی جاتی ہے۔ دراصل اردو والے اس وقت بوکھلائے ہوئے ہیں اور اسی لئے انھیں اس قسم کے پوچ اعتراضات میں بھی وزن نظر آجاتا ہے۔ ورنہ ایسی باتیں اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی توجہ کی جائے۔

علمی اور ادبی کام کی ہر حالت اور ہر زمانے میں ضرورت ہے۔ کسی ادب کی منزلت کا پیمانہ یہی ہے کہ اس میں علمی و ادبی کام کی رفتار قابل اطمینان ہے۔ اس میں قدیم ادب کے خزانوں کو کھنگال کر بڑے موتی نکالے جاتے ہیں۔ اس میں پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں برابر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں اساتذہ کے فکر و فن کو نئے نئے زاویوں سے برابر جانچا جاتا ہے اس میں تاریخ، فلسفہ، نفسیات، جمالیات، سماجیات کا عطر برابر پیش کیا جاتا ہے۔ انجمن تقریباً ۶۰ سال سے یہ کام کر رہی ہے۔ اسے اپنی اس شاندار روایت کو ہر حال میں قائم رکھنا ہے بلکہ اپنے معیار کو اور بلند کرنا ہے۔ پھر اسے لغات، قاموس، حوالوں کی کتابیں، فرہنگ اصطلاحات محاورات، تلمیحات کے مجموعے شائع کرنا ہیں تاکہ زبان کا سارا سرمایہ محفوظ بھی ہو جائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ بھی اٹھا سکیں۔ اسے جدید دور کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے انتخابات بھی شائع کرنے ہیں اور معلوماتی ادب بھی مہیا کرنا ہے تاکہ ادبی ذہن کو علمی غذا مل سکے اور تاثرات کو گہرائی اور گیرائی حاصل ہو۔ انجمن اپنے علمی و ادبی رول کو کم نہیں کرسکتی اسے تو اور بہت بڑھانا ہے۔

ہاں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علمی و ادبی کام سر آنکھوں پر مگر جب زبان کو خطرہ ہو تو ایسے میں سب کام چھوڑ کر زبان کی حفاظت میں تن من دھن سے لگ جانا چاہئے۔ ان سے ہمیں کچھ عرض کرنا ہے۔ زبان کی حفاظت کے کام کو علمی و ادبی کام سے علیحدہ کرنے میں بڑے خطرے ہیں۔ زبان کی حفاظت کے وہ لوگ بھی دعوے دار بن بیٹھے ہیں جو خاص سیاسی مصالح کو دیکھتے ہیں جو عوام کے ہر جذبے سے اپنے لئے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں یا جنہیں اپنی بندوق کے لئے کسی دوسرے کندھے کی ضرورت ہے۔ پھر زبان کے سوال کو مذہبی رنگ دینے والے بھی ابھی موجود ہیں اس لئے زبان کی حفاظت اور اشاعت کی تحریک ان اشخاص یا اداروں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جو زبان کی خصوصیات سے واقف ہیں، جو ادب کے حسن و قبح کو پہچانتے ہیں۔ جو ادب اور تہذیب کے رشتے سے واقف ہیں۔ ہر تحریک کو ایک ذہنی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو کی تحریک کی ذہنی قیادت اگر اس کے ادیب اور شاعر، اس کے معلم اور محرم راز کریں تو یہ تحریک غلط راستے پر نہیں چل سکتی۔ ظاہر ہے کہ اردو کی تحریک کے لئے عوامی طاقت اور سیاسی شعور دونوں کی ضرورت ہے۔ اچھے ادبی کارکن یہ پہلو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اس لئے ادیبوں کی قیادت یا یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ کی کاوشیں، تحریک کے لئے ہر طرح مناسب ہیں اور ان پر اعتراض کسی طرح درست نہیں۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجمن کی تنظیم ابھی کافی جاندار نہیں اور اس کا رشتہ عوام سے ابھی مضبوط نہیں ہوا، ان سے ہمیں اتفاق ہے اب تک انجمن کی تنظیم ہمارے دوسرے تہذیبی یا علمی اداروں کی طرح ناقص رہی ہے۔ مرکز بھی اتنا فعال اور باعمل نہیں رہا جتنا اسے ہونا چاہئے اور شاخیں بھی زیادہ تر محدود اثر، اور

بے جان رہی ہیں۔ مرکز سے انھیں وہ رہنمائی کم ملی اور خود کچھ کرنے کا انھیں کم حوصلہ ہوا۔ اس کے باوجود کچھ شاخوں نے اپنے حلقے میں بہت اچھا کام کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مناسب ہمت افزائی اور نگرانی کے بعد ان کی افادیت بہت بڑھے گی شاخیں اپنے اپنے حلقے میں اردو زبان کی حفاظت کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہیں وہ جہاں جہاں اردو کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے اس کے خلاف آواز بلند کر سکتی ہیں۔ وہ معقول عناصر سے تعاون کر کے اردو دوستی کی فضا قائم کر سکتی ہیں۔ انھیں مشاعرے اور ادبی اجتماع بھی ضرور کرنے چاہئیں۔ مگر ان کے لئے ضروری ہے کہ صرف مشاعروں یا ادبی جلسوں تک اپنی کوششوں کو محدود نہ کریں بلکہ کچھ مدارس چلائیں، کچھ ریڈنگ روم کھولیں، ممبروں کی تعداد بڑھائیں صحیح اعداد و شمار جمع کریں۔ ریاستی شاخوں اور مرکز سے ربط قائم رکھیں۔ اس کام میں داد کم ملتی ہے۔ شہرت کے مواقع بھی محدود ہیں مگر خدمت کے لئے اس میں ایک وسیع میدان ہے اور آج ہمیں خود ساختہ لیڈروں کی نہیں اچھے کارکنوں کی ضرورت ہے۔

اردو والوں کے سارے اعتراضات انجمن پر صرف ہو جاتے ہیں۔ ان کے ترکش میں جتنے تیر ہیں وہ برادری پر ہی آزمائے جاتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا حربہ طنز ہے۔ مگر اس طنز میں اصلاح پر کم اور چوٹ پہنچانے پر زیادہ توجہ رہتی ہے۔ یہ حقیقت بڑی تلخ ہے مگر اس کا اظہار کئے بغیر چارہ نہیں کہ اردو میں ہر شخص مفکر ہے ہر شخص مصلح اور مدبر۔ رہنما بہت ہیں، بہرو خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ اردو کی تحریک کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے۔ حکومت کی بے نیازی یا اکثریت کی تنگ نظری سے اردو کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا اردو والوں میں ضبط و نظم شعور اور ہوش کی کمی کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے اگر اردو دوست سنجیدہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی نیت پر شبہ کرنا چھوڑ دیں اور اردو کی بقا کے لئے جو باشعور کوششیں ہو رہی ہیں ان کو کمزور کرنے کی کوشش نہ کریں تو اب بھی اردو کا مستقبل محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہ کوششیں تو بہرحال جاری رہیں گی مگر اردو دوستوں سے یہ اپیل ضروری ہے کہ وہ ذہنی بچپن چھوڑ کر دردمندی کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور اپنی قوت اپنوں پر بے جا طنز و تعریض میں ضائع نہ کریں۔ طنز سے ممکن ہے دل بہل جائے مگر بات نہیں سدھر سکتی۔ جنھیں منزل پر پہنچنے کی لگن ہوتی ہے وہ سارا وقت ساتھیوں پر اعتراض کرنے میں ضائع نہیں کرتے، آگے بڑھنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انجمن کے وفد کی راجستھان کے چیف منسٹر سے ملاقات

جولائی کی کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ مرکزی انجمن کا ایک وفد راجستھان کے چیف منسٹر سے ملے اور ریاستی شاخ نے جن مسائل کی طرف حکومت کو توجہ دلائی تھی، ان کے متعلق کارروائی کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن ایم۔ پی۔ پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری، ڈاکٹر عبدالعلیم، جناب عبدالوہاب خیری صدر ریاستی انجمن اور جناب احترام الدین شاغل سکریٹری ریاستی انجمن پر مشتمل ایک وفد ۴۔ اگست کو ۱۱ بجے دن کے چیف منسٹر سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ اردو میں ابتدائی تعلیم کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے اور ثانوی مدارس میں جہاں اردو ختم ہو گئی ہے اسے دوبارہ داخل کیا جائے۔ نیز اردو میں نصاب کی کتابیں فراہم کی جائیں عدالتوں میں اردو کی درخواستیں اور دستاویزیں قبول کی جائیں اور اردو کی کتابوں کے لئے اسکولوں کو امداد دی جائے۔ چیف منسٹر نے یقین دلایا کہ حکومت ہند اور پارلیمنٹ کی ہدایات پر پورا عمل کیا جائے گا اور سکریٹری تعلیمات اور ڈائرکٹر تعلیمات کو ہدایت کی کہ وفد سے تمام تفصیلات پر گفتگو کرے۔ چنانچہ وفد نے ان دونوں افسروں سے ہر مسئلے پر بات چیت کی اور طے ہوا کہ بہت جلد حکومت راجستھان کی پالیسی تمام مسائل کے متعلق واضح کر دی جائے گی اور ہر جائز مطالبے کو پورا کیا جائے گا۔ امید ہے کہ اس گفتگو کے نہایت خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے۔

کتابوں کا عطیہ

جناب حکیم سید عبدالقوی صاحب سہسوانی نے انجمن کے کتب خانے کے لئے طب پر پانچ قلمی کتابیں بطور عطیہ مرحمت فرمائی ہیں۔ یہاں موصوف کی کتابوں کی تفصیل شکریے کے ساتھ درج کی جاتی ہے

(۱) بحر الفوائد　　تعداد اوراق ۲۶۰

(۲) منتخب الاطبا۔ (ناقص الآخر)　تعداد اوراق ۲۵
مائتہ المسائل فی تحصیل الفضائل۔ احمد اللہ کتابت ۱۲۳۲ھ اوراق ۵۱
دل ابل یوروپ (مطبوعہ) محمد عصمت اللہ مترجم مطبع ... صفحات ۳۰
مجلہ طبیہ دہلی (مطبوعہ رکیم ... ۱۲۹۳ھ) افضل المطابع دہلی، صفحات ۳۲

(۳) مجربات حکیم سلیم الدین۔ تعداد اوراق ۱۲۰۔

(۴) رسالہ تشریح الاجسام (مطبوعہ) میر فضل علی دہلوی کا مصنف صفحات ۱۸۳
مطبع دبدبہ احمدی۔ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ
صالح العلاج۔ تعداد اوراق ۲۲۱

(۵) المغنی بشرح الموجز فی الطب۔ تعداد اوراق ۱۷۱

انجمن کی خبریں

سالانہ جلسہ عام انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی

انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کا بارہواں سالانہ جلسہ ۲۷۔ جولائی ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت جناب کیفی اعظمی صاحب نے فرمائی۔ سب سے پہلے جنرل سکریٹری مدن موہن کالیہ نے انجمن کی ۱۹۵۲ء کی کارگزاری کے سلسلے میں مختصر رپورٹ پیش کی اس کے بعد انجمن کے خازن جناب شہاب الدین دسنوی صاحب نے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا۔ سکریٹری انجمن نے اس دارالمطالعہ کی رپورٹ پیش کی جو انجمن کے زیر اہتمام جاری ہے اور جس میں ہندوستان و پاکستان کے متعدد اردو رسالے قارئین کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد انجمن کے عہدے داروں اور منتظمہ کے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ عہدیداروں کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوا مگر اراکین کی دس جگہوں کے لئے ۱۳۔ امیدواروں کے نام پیش کئے گئے تھے جس کی وجہ سے رائے شماری کے بعد مندرجہ ذیل مجلس منتظمہ کی تشکیل ہوئی۔

صدر:۔ جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب

نائب صدر:۔ جناب مدن موہن کالیہ صاحب

" جناب حمیدہ اختر صاحب

جنرل سکریٹری:۔ جناب سردار راجندر سنگھ بیدی صاحب

نائب سکریٹری:۔ جناب مظفر شاہجہاں پوری صاحب

" جناب محمد حیدر احمد صاحب

خازن:۔ جناب ذکریا شریف صاحب

اراکین منتظمہ ۱۔ کیفی اعظمی صاحب ۲۔ محمود چھاپرہ صاحب ۳۔ سلطانہ جعفری صاحبہ ۴۔ ابوبکر جنیٹ صاحب ۵۔ صدیق مکی صاحب ۶۔ عبدالرزاق سعید صاحب ۷۔ محمد ابراہیم جنیٹ " ۸۔ عبدالجبار صدیقی " ۹۔ شیخ عبدالقادر " ۱۰۔ یعقوب رضوی "

جلسہ میں کچھ قراردادیں منظور کی گئیں جن میں بمبئی کے اردو اخبارات کے مالکان اور اردو صحافیوں کا بہ تہہ دل سے اور ادیبوں اور کارکنوں کا شکریہ ادا کیا گیا جن کے تعاون سے انجمن اردو کی خدمت کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ ایک قرارداد کے ذریعے انجمن کے اعزازی آڈیٹرس این ای رجنٹ اینڈ کمپنی کا شکریہ ادا کیا گیا جو کئی سالوں سے انجمن کے حسابات بلا معاوضہ آڈٹ کرتے ہیں۔

اردو

میرے دامن میں شگوفے بھی ہیں انگارے بھی
میں کہ ہوں حسن و جوانی کا مقدس زمزمہ

مجھ کو پہچانو کہ میں قدرت کے دل کا راز ہوں
میں کہ ساز وقت کی جادو بھری آواز ہوں

وقت کو اڑنا سکھایا ہے مری پرواز نے
مشرق و مغرب میں اب چاروں طرف چھایا ہوا

زندگی کے حسن کو بخشا ہے حسن لازوال
میرے گیتوں کا تقدس میرے نغموں کا جمال

سیکھتے ہیں مجھ سے اہل علم و فن جادو گری
میں نے تہذیب و تمدن کی اندھیری رات میں

میرے افسانوں سے ملتا ہے حقیقت کا سراغ
خون فطرت سے جلائے ہیں تجسس کے چراغ

میں نے پیدا کی ہیں ہر سینے میں دل کی دھڑکنیں
زندگی کو چاند سے دلکش بنانے کے لئے

اور ہر دھڑکن کو بخشی ہے محبت کی امنگ
دھندلے خاکوں میں بھرا ہے حسن کے جلووں کا رنگ

آسمانوں نے جھکایا ہے مرے قدموں میں سر
اور پہنایا ہے میں نے حسن کے دربار میں

ماہ و انجم نے دیا ہے میری عظمت کو خراج
ملکِ شعر و سخن کو ضو فشاں ہیروں کا تاج

وقت کی تاریخ سے بکھرے ہوئے اوراق پر
کاٹ کر جرأت کے تیشہ سے غلامی کا پہاڑ

میں نے لکھی خونِ دل سے حریت کی داستان
میں نے تابندہ کیا مستقبلِ ہندستان

میں نے سینے سے لگا کر لوریاں دی ہیں جنہیں
اس طرح لیکن تعصب خنجر چھونکوں سے کبھی

اب وہی بیتاب ہیں مجھ کو مٹانے کے لئے
گل نہ ہوں گے میری عظمت کے درخشندہ دیئے

ظلم و استبداد کے امڈے ہوئے طوفان سے
علم و فن کی قیمتی انگشتری میں حشر تک

میں کہ ابھروں گی کسی سرکش سفینے کی طرح
میرا ہر ہر لفظ چمکے گا نگینے کی طرح

(پریتم داس برمنی)

شاخ بیدر

مسٹر مختار احمد گیلانی معتمد شاخ انجمن ترقی اردو ہند بیدر کی اپیل پر ہر مقامی ادبی ادارے اور اردو دوست شہریوں کی جانب سے یوم اردو منانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں

سکریٹری صاحب نے اہل بیدر سے پر جوش اپیل کی ہے کہ یوم اردو منانے اور اردو کو اس کا اصلی مقام دلانے میں انجمن کسی سے پیچھے نہ رہنا چاہیے۔

شاخ بڑھ گنج (یوپی)

عبدالغفور صاحب سکریٹری شاخ انجمن بڑھ گنج ضلع گورکھپور اطلاع دیتے ہیں :-

اردو کانفرنس کے فیصلوں کے مطابق ہمارے یہاں کام شروع ہو گیا ہے۔ ہر ہفتہ مقامی شعراء کرام کو ساتھ لے کر مشاعرہ کیا جاتا ہے۔ عوام میں یہ ہفتہ وار مشاعرہ بہت مقبول ہو رہا ہے

۲۷۔ جولائی ۵۷ء کو ایک مشاعرہ جناب تاج ماہی کی صدارت میں بہت کامیاب رہا۔ حاجی محمد ظہور صاحب نے مبلغ ۲ روپے شمس صاحب کے ایک شعر سے خوش ہو کر دیے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

ہوئے سرخرو جس سے بزم جہاں میں
وہ نغمہ، وہ نعرہ بھلائے نہ دیں گے۔

جامعۂ اردو

"امتحانات جامعہ اردو میں فیس و فارم کے داخلے کی تاریخ میں توسیع"

بوجہ التوائے امتحانات جامعہ اردو میں فیس و فارم کے داخلے کی آخری تاریخ بجائے ۵۔ اگست کے ۱۵۔ اگست کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد ۵۔ ستمبر تک دو روپے فیس تاخیر کے ساتھ فارم داخل ہو سکیں گے۔

ظہیر الدین علوی (رجسٹرار جامعہ اردو)

ناگری اردو دونوں رسم خط

حیدرآباد میں ہندی کے مشہور کارکن ایم سیتہ نارائن صاحب کی خدمات کے اعتراف کے لئے ایک جلسہ صدر جمہوریہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں سیتہ نارائن صاحب خود بھی تشریف فرما تھے۔ موصوف ۴۰ سال سے جنوب میں ہندی رائج کرنے کی خاموش اور مسلسل خدمت انجام دے رہے ہیں

ڈاکٹر گوپال ریڈی وزیر مالیہ آندھرا نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں فرمایا کہ سیتہ نارائن صاحب نے ۱۹۲۱ء میں ہندی کی تدریس کا کام شروع کیا انھوں نے مدراس میں اتنا قدر بڑا ادارہ قائم کیا ہے کہ وہ ایک یونیورسٹی کیمپس کی طرح ہے وہ ایک خیالی نہیں عملی انسان ہیں وہ یقیناً ایسی ہندستانی زبان کے حامی ہیں جو دہلی کے اطراف میں عوام بولتے ہیں قومی زبان محض ہیں صوبجاتی زبان نہ ہونی چاہیے بلکہ ایک ایسی زبان ہو جسے نہ صرف ہندو بلکہ اقلیتیں بھی بہ آسانی بول اور سمجھ سکیں۔ آج ان لاکھوں ہندستانیوں کو بھی ساتھ لینا ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ موجودہ حالات میں نہ تو فارسی سے بھری ہوئی اردو قومی زبان بن سکتی ہے نہ سنسکرت سے بھری ہوئی ہندی اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے بلکہ ایک بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آسان اور سادہ زبان ایک ہو جو دونوں رسم خط میں لکھی اور طبع کی جائے مسٹر سیتہ نارائن کی کوشش سے دکشن بھارت ہندی پرچار سبھا نے اس طرح کی بعض نصابی کتابیں شائع کی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی۔

اردو دنیا

اورنگ آباد میں یوم اردو

اورنگ آباد۔ انجمن ترقی اردو کی تجویز کے مطابق ۲۰۔ اگست کو اورنگ آباد میں مطلع ادب کی جانب سے یوم اردو منایا جا رہا ہے پروگرام میں مشاعرے اور تقاریر کے علاوہ ایک مباحثہ "مرہٹواڑہ میں اردو کا موقف" بھی شامل ہے

یوم اردو کے لئے راہبوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں بشیر نواز، قاضی سلیم اور خوشال راؤ سکانے ایڈوکیٹ شامل ہیں۔

مشاعرے میں سکندر علی وجد، اختر الایمان، رفعت سروش اور باقر مہدی کی شرکت کی توقع ہے۔ مشاعرہ سکریٹری کے فرائض پروفیسر صفی الدین صدیقی انجام دیں گے۔

گورنر کی تقریر اردو میں

آندھرا حکومت کے شعبۂ اطلاعات نے یہ اطلاع شائع کی ہے کہ آندھرا کے نئے گورنر شری بھیم سین سچر آندھرا پردیش کے لوگوں کے نام ایک پیام اردو میں نشر فرمائیں گے اس کے فوراً بعد اس پیام کا ترجمہ تلگو میں نشر کیا جائے گا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ماسکو میں ۲۹ جولائی کو زراعتی نمائش کے کھلے تھیٹر میں ہندوستانی رقص و موسیقی کا پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں پدمنی اور راگنی کے رقص نے لوگوں کو مسحور کر دیا۔

اس پروگرام کی ابتدا اقبال کے ترانے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" سے ہوئی اس کی دھن پنڈت روی شنکر نے بنائی۔ یہ ترانہ روس میں بہت مقبول ہے رشید بیگ لطف کا گایا ہوا اس کا ریکارڈ ماسکو ریڈیو سے بجایا جاتا ہے۔

عجیب چائے کی ہندی

پارلیمنٹ میں کمیونسٹ ممبر سرجو پانڈے (یو۔پی) نے کہا کہ ہندی کے نادان حامی عام بول چال کے لفظوں کا بھی سخت ہندی میں ترجمہ کر کے ہندی کو ناقابل فہم بنا رہے ہیں مثلاً یوپی کے ایک ہندی اخبار نے چائے ایسے عام فہم لفظ کا ترجمہ "دگدھ شرکارمشات پروت اپتن داشپائے پانے" کیا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ دودھ، شکر، ابلے ہوئے پانی اور ایک ایسی چیز سے بنا ہوا مشروب جو پہاڑ پر پیدا ہوتی ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ ہندی کے نادان دوستوں کو اس قسم کی مجنونانہ کوششوں سے روکنا چاہئے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ٭ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ستم ظریفی

موقر معاصر صدق جدید رقم طراز ہے:-

... ایک عجیب تماشا دیکھنے میں آیا (رفیع نگر میں) زمین دوز پلیٹ فارم کی تختیاں جو ادھر ادھر لگی ہوئی ہیں ان دونوں پر اسٹیشن کا نام صرف دو خطوں میں لکھا ہوا ہے۔ ایک ناگری دوسرے انگریزی حروف میں۔ اردو حروف کا سرے سے بائیکاٹ ہے حالانکہ اس سے متصل جو دوسرے اسٹیشن اس لائن (این۔ ای۔ آر) کے ہیں مثلاً جہانگیرآباد وغیرہ ان سب پر نام ہندی انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی ہیں ..... ایک اور کمال اس سے بھی بڑھ کر ملاحظہ ہو۔ پلیٹ فارم کے وسط میں ایک بڑے تختے پر یہ عبارت انتہائی ناگری حروف میں جلی خط سے منقوش ہے۔

"سورگیہ رفیع قدوائی کا مزار یہاں سے دو میل ہے" اول تو غریب اردو یہاں بھی اقطار اور پھر اس ہندی نوازی کے جوش میں ادا سی مناسبت سے بجائے مرحوم کے "سورگیہ" کتنا موزوں۔ گویا مزار پر حاضری و فاتحہ خوانی کے لئے جو لوگ آئیں گے وہ اردو سے ناآشنا اور صرف ہندی خواں ہوں گے۔

یومِ اُردو

"بمبئی کے مشہور ادبی رسالے "شاعر" کے اداریئے (تجزیات) سے کچھ اقتباس، معاصر موصوف کے شکریے کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ عدم گنجائش کی وجہ سے پورا اداریہ نہیں دیا جا سکا۔"

۲۰، ۲۱ جولائی ۵۷ء کو انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے علی گڑھ میں ایک اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً ایک سو نمائندوں نے شرکت کی۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ کانفرنس تنہا کی نہ تھی، ہر چند اس میں کم لوگ شریک ہوئے۔ لیکن شریک ہونے والے حضرات میں سے اکثر ذمہ دار اور صاحب رائے تھے کانفرنس کے دو روزہ سیدھے سادے جلسوں میں ان گنے چنے شرکا نے سر جوڑ کر مسائل اردو پر غور و خوض کیا۔ بہت سی ضروری اور کام کی باتیں معرض بحث میں لائی گئیں۔ پھر اتفاق رائے سے گیارہ اہم تجاویز پیش ہو کر منظور ہوئیں کانفرنس کی روداد سے اندازہ ہوا کہ دونوں دن جلسوں کے دوران انہماک، توجہ اور دلچسپی کا عنصر غالب رہا۔

انجمن ترقی اردو ہند کے دھارے ایک نئی سمت کی طرف مڑ رہے ہیں۔ انجمن کے اراکین شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اردو کے سلسلے میں اب تک اردو والوں کی جدوجہد بے مآل رہی ہے اس لئے کرنل بشیر حسین زیدی کا یہ جملہ

" ایسا نہیں ہے کہ چونکہ انجمن کو حکومت سے مالی امداد ملتی ہے۔ اس لئے وہ حکومت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی اور ہمیشہ نرم روی اور آہستہ خرامی کی تلقین کرتی ہے۔ حکومت کی امداد ہمارا جمہوری حق ہے۔"

اردو کانفرنس میں منظور شدہ یہ تجویز کہ

" اردو کو علاقائی زبان کے بجائے آل انڈیا زبان کی حیثیت سے سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا جائے۔"

انجمن کے اس نئے موڑ کا احساس دلانے کے لئے کافی ہے جدھر اس نے رخ کیا ہے۔ حالات اتنے پیچ در پیچ ہیں کہ جب تک پوری قوت، ذہانت اور فراست سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اردو کے لئے سازگار ماحول پیدا نہیں ہوگا۔ اب ڈرنا، جھجکنا دبنا اور رکنا خلاف مصلحت ہے۔

دفتر "شاعر" میں کچھ ایسے خطوط آئے ہیں جن میں اس بات پر اظہار مسرت کیا گیا ہے کہ انجمن کی کانفرنس میں جو باتیں معرض بحث میں آئیں، جو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں سے اکثر و بیشتر وہی ہیں جو مدیر شاعر نے ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء اور سال رواں میں شاعر کے اداریوں میں پیش کی ہیں۔

یہ درست ہے کہ مدیر شاعر نے مسلسل آٹھ سال مسائل اردو پر مضامین اور اداریے لکھے ہیں۔ ایسے اداریے جن سے ملک میں ایک فضا پیدا ہوئی، ایک جذبہ ابھرا، عوام و خواص میں سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی۔ اردو عوام بہت سے خطرات سے آگاہ ہوئے اور یہ بھی یقیناً خوشی کی بات ہے کہ اردو کانفرنس میں شریک ہونے والے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور اراکین انجمن نے ان معروضات کو پیش نظر رکھا۔ حاشا کہ یہاں یہ تذکرہ کسی اور جذبے کے تحت نہیں کیا جا رہا ہے۔ مدیر شاعر اردو کا ایک ایسا خاموش اور بے غرض خدمت گزار ہے جو اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ حق ادا نہیں ہوا۔ اس سلسلے کی اہم ترین بات اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مدیر شاعر کی تمام معروضات کسی نہ کسی شکل میں انجمن کے مشترک پلیٹ فارم سے آگے بڑھائی جا رہی ہیں۔ شاعر میں ہمیشہ متحدہ محاذ پر زور دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں کے اصرار کے باوجود مدیر شاعر نے کبھی اردو کے لئے الگ محاذ قائم کرنے کی تجویز قبول نہیں کی اور یہی چاہا کہ جو کچھ ہو وہ انجمن ترقی اردو ہند کے پلیٹ فارم سے ہو۔

مسائل اردو کے سلسلے میں اب تک جو معروضات پیش کی جا چکی ہیں ان کے اعادے کا یہاں محل نہیں ہے البتہ یوم اردو کے سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے شاعر میں مدیر شاعر نے بایں الفاظ اردو والوں کو متوجہ کیا تھا۔

" ہماری رائے میں پہلا موثر طریقۂ احتجاج یہ ہو سکتا ہے کہ جلد از جلد پورے ہندوستان میں ایک ہی دن "یوم اردو" منایا جائے اور یکساں اور انتہائی موثر حقیقت کشا قراردادیں منظور کرکے ہر شہر سے حکومت کو بھیجی جائیں۔ اسی دن ہر جگہ پُرامن طریقے پر جلوس نکالے جائیں جلسے ہوں۔ اردو والے اپنے کاروبار بند رکھیں۔

زبانِ اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی " (ص ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

شکر ہے کہ تقریباً دو سال بعد یوم اردو کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور انجمن ترقی اردو کی تحریک پر ۲۵ اگست ۵۷ء کو پورے ہندوستان میں یوم اردو منایا جائے گا۔ اللہ اس دن کو کامیاب کرے۔ اردو والے اسے اتنے عظیم الشان پیمانے اور منظم طریقے پر منا سکیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کا کوئی جواب نہ مل سکے۔ ہمارا یوم اردو اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ پورے ہندوستان کے لئے پہلے سے ایک منضبط پروگرام مرتب کیا جائے۔ پورے جوش و خروش اور خلوص کے ساتھ اردو والے اس میں حصہ لیں۔

"شاعر" بمبئی، اگست ۵۷ء

معاصرین

دہلی میں یوم اردو منانے کی تیاریاں

یہ خبر خوشی کے ساتھ سنی جائے گی کہ دہلی میں یوم اردو منانے کی تیاریاں شروع ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے بیگم حمیدہ سلطان، مسٹر ایمن خاں پرائیوٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر مانک رام، بیگم انیس قدوائی، مسٹر ساحر ہوشیارپوری، مسٹر گوپی ناتھ پرشاد ماتھر اور مسٹر گلزار وغیرہ فدایان اردو انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہ تقریب ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کو منائی جائے گی۔

دہلی اردو زبان کا مرکز تھی اور یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ باوجود پنڈت نہرو کی بار بار تنبیہ کے دہلی کو اس قابل قدر زبان سے محروم کیا جا رہا ہے اور اس زبان کی موجودہ حالت یہ ہے کہ دہلی کی بیس لاکھ آبادی والے شہر میں شاید ایک بھی سرکاری اور غیر سرکاری سکول یا درس گاہ ایسی نہیں جس میں کہ اردو پڑھائی جاتی ہو حالانکہ ہندوستان کے آئین کے مطابق ہندوستان کی زبانوں میں یہ زبان ایک تسلیم شدہ زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چوتھائی صدی کے بعد تلاش کرنے پر بھی اردو پڑھنے والا کوئی نہ ملے گا۔ کیونکہ موجودہ نسل جب اردو حروف سے ہی ناآشنا ہوگی تو اس زبان کے جاننے اور پڑھنے والے کہاں ملیں گے۔ دہلی کی پبلک کا فرض ہے کہ وہ یوم اردو منانے کے لئے زیادہ سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کرے اور مرکزی وزراء کو مدعو کر کے ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے بیانات میں اس زبان کو زندہ رکھنے کا نہ صرف اقرار کریں بلکہ مرکزی گورنمنٹ دہلی، پنجاب، یوپی اور بہار وغیرہ کی گورنمنٹوں کو ان صوبجات میں اردو کو ایک علاقائی زبان قرار دینے کے لئے مجبور کرے کیونکہ کسی بھی زبان کا مذہب اور سیاست کے ہاتھوں تباہ ہونا لٹریچر پر بہت بڑا ظلم ہے۔

(ریاست دہلی)

یوجنا

حکومت ہند کے محکمہ مطبوعات کی طرف سے انگریزی اور ہندی میں ایک پندرہ روزہ رسالہ یوجنا شائع ہوتا ہے جس میں تعمیری کاموں اور پنج سالہ منصوبوں کے متعلق مفید اور ٹھوس مضامین ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رسالے ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں کی رہنمائی کر رہے ہیں بلکہ ان میں ایک نیا جوش بھی پیدا کر رہے ہیں۔ جو بجائے خود ایک اہم اور مفید کام ہے۔ لیکن اس کے باوجود اردو میں بھی یوجنا کا ایک ایڈیشن شائع ہونے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ملک میں کروڑوں لوگ ایسے موجود ہیں جو ہندی اور انگریزی سے واقف نہیں ہیں اور صرف اردو ہی جانتے ہیں۔ ان میں کسی مذہب اور علاقے کی تخصیص نہیں ہے ایسے لوگ ہر جگہ کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں، خصوصاً دہلی، پنجاب، یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان، بمبئی اور آندھرا میں، مدراس میں بھی ان کی تعداد کافی ہے۔ یہ لوگ بھی قومی زندگی کا اہم جزو ہیں اور وقت کی پکار ان تک پہنچنی چاہئے اس لئے اردو میں یوجنا کی اشاعت ضروری ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انگریزی اور ہندی کے رسالوں پر حکومت کافی خرچ کر رہی ہے اور اسے گھاٹا بھی ہو رہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یوجنا کا اردو ایڈیشن بہت کم صرفہ سے نکل سکتا ہے اس سلسلہ میں صرف ہندی ایڈیشن کے مواد کی زبان بدلنی پڑے گی۔ ویسے طباعت پر کوئی زیادہ خرچ نہیں آئے گا جہاں اور خرچ ہوتا ہے وہیں اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی برداشت کیا جا سکتا ہے مگر اس سے فائدہ بہت ہوگا اور ایک بڑی ضرورت پیدا ہوگی۔ ہمیں یہاں ہندی سے اختلاف نہیں ہے ہندی میں یوجنا کی اشاعت ضروری ہے اور ہماری تجویز کو ہندی اردو کا سوال بنانا بھی بے انصافی ہوگی، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یوجنا کا انداز بیان اور انداز تحریر چونکہ عوام و خواص کو اپیل کرتا ہے اس لئے اس کی اشاعت اردو میں ہونی چاہئے تاکہ اردو پڑھنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں رہا خرچ کا سوال تو جہاں اتنا خرچ ہوتا ہے تھوڑا سا اور سہی۔

(پیام وطن دہلی)

لغت اور استعمال عام

(بسلسلہ گزشتہ)

رشید حسن خاں

سبق　درس　عربی میں بہ سکون با کے معنی ہیں "آگے نکل جانا" اور بہ فتح با کے معنی ہیں "درس" وغیرہ۔ لیکن فارسی میں دونوں معنی کے لئے بہ سکون با بھی آتا ہے (بہار عجم) اردو میں یہ صرف ایک معنی میں مستعمل ہے (درس) اور اس معنی کے لئے یہ بہ فتح با آتا ہے۔ آگے نکل جانے یا بازی لے جانا کے معنی میں سبقت بولتے ہیں۔

پیاس　تشنگی　فارسی میں بہ کسر سین و بہ ضم سین دونوں طرح مستعمل ہے۔ اردو میں صرف بہ کسر سین بولتے ہیں۔

فراق　جدائی　عربی میں بالکسر مصدر ہے جس کے معنی ہیں "از ہم دگر جدا شدن" اور بہ فتح بطور اسم جدائی کے معنی میں آتا ہے اردو میں صرف بالکسر اسم کے معنی میں مستعمل ہے۔

زنخ　بجا؟　فارسی میں اس کی دو حرکتیں ہیں بہ کسر نون و بہ فتح نون۔ اردو میں صرف بہ کسر نون آتا ہے۔

مقصد　مدعا　یہ دسوں لفظ عربی میں بہ کسر حرف ثالث ہیں۔ لیکن اردو میں یہ صرف بہ فتح حرف ثالث مستعمل ہیں۔

مصرف　جائے صرف　ان میں سے مقصد و منصب میں اہل فارس نے تصرف کیا ہے یعنی ان کو بہ فتح حرف ثالث استعمال کیا ہے۔

مطلع　شعر اول غزل
مقطع　شعر آخر غزل
مرجع　جائے رجوع
منصب　مرتبہ
میت　مردہ

باقی الفاظ کے متعلق اشعار یا فارسی لغات میں کوئی تصرف نظر سے نہیں گزرا۔ بہر تقدیر اردو میں کسوثقیل معلوم ہوا اس لئے یہ سب الفاظ صرف بالفتح حرف ثالث مستعمل ہیں۔ منصب کے متعلق غیاث و ارا تحافا غلاط میں تشریح ہے کہ یہ بالفتح تصرف فیہ ہے از ہند میں صائب و جلال اسیر کی اسناد بھی مندرج ہیں۔ البتہ مقصد کے متعلق کسی لغت نے تصرف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہاں نظیری نے ایک جگہ مفتوح استعمال کیا ہے

سیہ　سواد
جید　بنا مضبوط
نیر　روشن بسورج

منا از عقدۂ دل ہاست آں زلف معقدرا
بحمد اللہ کہ ربطے ہست با مطلق مقید را
بہ سکن بستر از پہلوئے گرمش سوز ناگشتہ
کندطے بر براق معرفت اقصائے مقصد را (نظیری)

عشوہ　ناز۔ انداز　عربی میں بہ سہ حرکات اول ہے اور اس کے معنی ہیں "کار پوشیدہ کردن، آتشے کہ بشب دیدہ شود، تاریکی میاں شب (منتخب صراح) فارسی میں بطور مجاز ناز و انداز کے مفہوم میں مستعمل ہے اور حرف اول مکسور ہے (بہار عجم) اردو میں فارسی تصرف کے مطابق ناز و انداز کے معنی میں بہ کسر اول مستعمل ہے۔

جلوہ　دیدار　عربی میں بہ کسر اول و بہ فتح اول دونوں طرح آتا ہے لیکن معنی میں تھوڑا سا فرق ہے بہ فتح جیم کے معنی ہیں "نمودن و عروس کردن خود را کسے" اور بالکسر کے معنی ہیں "بہ تو ش خاص خود را نمودن بہ کسے" جیسا کہ غیاث میں مدار الافاضل اور کشف اللغات کے حوالے سے درج ہے۔ فارسی میں کوئی امتیاز نہیں وہاں صرف بالفتح مستعمل ہے (بہار عجم) اردو میں بھی صرف بالفتح رائج ہے۔

قالب　سانچہ　عربی میں بہ کسر لام کے معنی ہیں "برگرداندہ" سانچے کے معنی میں بہ فتح لام آتا ہے لیکن منتخب میں اس معنی میں بہ کسر لام بھی درج ہے۔ فارسی میں بہ کسر لام و فتح لام دونوں طرح صرف سانچے یا بدن کے معنی میں ہے اردو میں صرف بہ کسر لام سانچے کے لئے آتا ہے۔

برقع　معروف　عربی میں بہ ضم با و قاف، بہ فتح با و قاف، بہ ضم با و فتح قاف، تینوں طرح آتا ہے اردو میں صرف بہ ضم با و فتح قاف مستعمل ہے

معدہ　"　عربی میں اس کی دو حرکات ہیں۔ کسر میم و کسر عین، اردو میں صرف بہ کسر میم و سکون عین مستعمل ہے۔

عرق　ڈوبا　عربی میں بہ فتح اور بہ فتح اول و سکون ثانی دونوں طرح آتا ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح اول و سکون ثانی ہے

(باقی)

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

سدرہ وطوبیٰ

مصنف: الم مظفر نگری

ناشر: مکتبہ برہان۔ دہلی

قیمت ـــــــ دو روپے آٹھ آنے

الم مظفر نگری ہندوستان کے ان شعرا میں ہیں جنھوں نے فنِ شعر کو خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ انھیں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے اور جو کچھ کہتے ہیں اس میں شائستگی اور نفاست کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ سدرہ وطوبیٰ ان کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے جس میں ان کی نظمیں، غزلیں اور فارسی کلام شامل ہے۔ الم کی نظمیں موضوعات کے اعتبار سے جدید لیکن اندازِ نگارش کے لحاظ سے قدیم نظم نگاری سے زیادہ قریب ہیں جہاں غزلِ مسلسل یا طویل قطعے کو عنوان دے کر نظم کا نام دیا جاتا تھا۔ ان نظموں پر اقبال کی ابتدائی شاعری اور سیماب کے منظومات کی چھاپ ہے۔ البتہ غزل میں الم صاحب کی انفرادیت زیادہ نمایاں طور پر ابھری ہے اور ان کی شاعری کا یہی حصہ ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ چند اشعار مثال کے طور پر یہ ہیں۔

پلٹ جائے گا نظمِ گردشِ محفل تو کیا ہوگا
چلا ور یادِ دل سے کون جانے بعد یک ساعت

اس آئینِ عزا کی داد کوئی دے نہیں سکتا
دھوئیں کی موج تک اٹھی نہ شمعِ بزمِ ماتم سے

جوابِ حسن کی خاطر کبھی پہلو نکل آتے
محبت کی طبیعت بھی اگر کچھ نکتہ چیں ہوتی

وفا پر تبصرے کچھ ہو رہے ہیں ان کی محفل میں
زبانِ عشق بھی تو بات کوئی کام کی کہہ دے

انا الحق کی حقیقت پر جہاں ہوتی ہیں تنقیدیں
وہاں افسانۂ دار و رسن کہنا بھی پڑتا ہے

قفس تھا ہم نوا اتنا تحمل بھی نہیں دیا
رہا باقی نہ احساسِ پریشانی تو کیا ہوگا

نگاہِ شوق بیگانہ ہے رسمِ ضبطِ الفت سے
اسی کم بخت سے تو آرزو بدنام ہوتی ہے

تجلیاتِ گلستاں کا اعتبار نہ کر
چمن میں پھول نہیں بجلیوں کے ہیں سائے

"سدرہ وطوبیٰ" مجموعی طور پر ہمارے شعری ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔

آہنگِ سرمدی

مصنف: الم مظفر نگری

ناشر: مکتبہ برہان دہلی قیمت ۳/- روپے

"آہنگِ سرمدی" گیتا کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو جناب الم مظفر نگری کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ گیتا کے یوں تو اس سے پہلے بھی اردو میں منظوم ترجمے ہو چکے ہیں لیکن اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فیضی کے فارسی ترجمۂ گیتا کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم نے فیضی کی گیتا کے منظوم کے علاوہ بعض اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) گیتا سرود حقی کا فارسی ترجمہ جو او بہاری لال نے کیا ہے۔
(۲) گیتا رہسیہ۔ مولفہ تلک آنجہانی
(۳) گیتا اور قرآن۔ پنڈت سندر لال

الم صاحب کا یہ ترجمہ شگفتہ اور رواں ہے۔ اصل گیتا کی شعریت کے علاوہ فیضی کے شاعرانہ محاسن کو بھی اردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ابتدا میں معروف تحسین کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقدمہ بھی ہے جس میں گیتا کے فلسفیانہ مسائل کی تشریح و تعبیر کی گئی ہے۔ ترجمے میں جا بجا ایسے حواشی بھی لگائے گئے ہیں جن سے ہندو فلسفے کی بعض اصطلاحات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

میاں داد خاں سیاح اور ان کا کلام

مرتبہ: ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی

ناشر: ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، قیمت ۱/- روپے

میاں داد خاں سیاح غالب کے چہیتے شاگردوں میں تھے اور جن لوگوں نے مرزا کے خطوط کا مطالعہ کیا ہے وہ سیاح کی دلچسپ اور رنگارنگ شخصیت سے خوب واقف ہیں۔ سیاح کے دو چار اشعار کے علاوہ ان کے کلام کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے سیاح کا ایک اردو دیوان دریافت کر لیا ہے اور اسے مرتب کر کے اردو داں طبقے کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس دیوان میں سیاح کی ۱۰۰ اردو غزلیں ہیں اور یہ شعر بھی جو اردو کا مقبول ترین شعر ہے۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

مدنی صاحب چونکہ سیاح کے ہم وطن ہیں اس لئے جہاں انھیں اس دیوان کو دستیاب کرنے میں آسانی ہوئی وہاں انھوں نے بڑی کاوش سے سیاح کے حالاتِ زندگی بھی اکٹھا کئے ہیں اور مختلف تذکروں میں سیاح سے متعلق جو مواد بکھرا پڑا ہے اسے بھی یکجا کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو کسر رہ گئی تھی اسے اردو زبان کے نامور محقق قاضی عبدالودود صاحب نے "تذکرہ" لکھ کر پوری کر دی۔ یہ کتاب غالبیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔

مراسلات

۱۵- جولائی کے اخبار میں مولانا ضیاء احمد بدایونی دام عزہم نے "کبیر جوگ" کے تبصرے میں نام نہاد اسلامی تصوف کو پارسیوں سے ماخوذ نہیں سمجھا ہے اور چونکہ مجھے اس امر کا علم نہیں کہ موصوف آج کل علی گڑھ میں تشریف فرما ہیں یا بدایوں میں بنا بریں یہ خط آپ کے توسط سے روانہ کرتا ہوں۔

حضرت مولانا خوب واقف ہوں گے کہ علامہ اقبال خود صوفی تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں صاف طور سے ارشاد فرمایا ہے کہ "وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح ظاہر ہوا یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑ گئی جس کی بنا وحدت الوجود تھی ان شعراء نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دل فریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے" (اقبال نامہ جلد اول ص ۴۳) پھر اگر رادھا سوامی، ست سنگ والے یہ کہتے ہیں کہ نام نہاد اسلامی تصوف تو مسلم پارسیوں سے ماخوذ ہے تو ناحق سر بگریباں کیوں ہوتا ہے۔

اس نام نہاد اسلامی تصوف کی اہم ترین تصنیف فصوص الحکم مصنفہ شیخ اکبر کے متعلق علامہ اقبال کے اصل الفاظ غور طلب ہیں "جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں ہے (حوالہ سابق ص ۴۴)

اور جہاں تک میری تحقیق کا سوال ہے جیسا کہ میں نے اپنی تصنیف "دین الٰہی کے عناصر اربعہ" کے صوفی عنصر میں بسط و شرح سے بیان کیا ہے۔ تصوف کی تعلیم اور جو کچھ ہو اسلامی تعلیم تو نہیں ہے۔ پھر آخر حضرت مولانا تصوف کو کس استدلال سے اسلامی تعلیم کا پرتو قرار دیتے ہیں؟

(بنارس) محمد عباس طالب منوی

میسور میں اردو صحافت کا ابتدائی دور

مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۵ء کے "ہماری زبان" میں مندرجہ بالا عنوان سے میرا جو مضمون چھپا ہے اس میں قادر شریف صاحب صابر کی زیر ادارت نکلنے والے رسالے "دلسوز" کا سنہ اجراء بجائے ۱۸۸۷ء کے ۱۸۸۹ء لکھ دیا گیا ہے۔ ناظرین براہ کرم اس کی تصحیح فرما لیں۔

عبد الغفار شکیل میسوری

بقیہ میسور کے اردو افسانہ نگار

کرتی ہے۔ لیکن انسان جسم کا بھوکا ہے۔ وہ پسند نہیں کرتے۔ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ مگر حالات نے اسے نرس بنا کر چھوڑا۔ وہ ماں کی اکلوتی بیٹی ہے اور سہارا بھی۔ وہ زینب، نثار وغیرہ کے سامنے سینی فورم میں اپنی بیویوں کو داخل کر کے پھر پلٹ کر نہ دیکھنے والے یا جل کٹی سنانے اور مارنے والے شوہروں کا ذکر حقارت و نفرت سے کرتی ہے۔ شوہر بیزار عورت معلوم ہوتی ہے لیکن زینب کے سمجھانے پر پانچوں انگلیوں کے ایک جیسے نہ ہونے کی قائل ہو جاتی ہے۔ لیکن بیوہ اور خود دار ماں خاموش ہے۔ وہ زینب سے شادی کے بعد کے پیش آنے والے اندیشوں کے گھروندے بناتی ہے اور زینب کے زور دینے پر کہتی ہے "اگر اس کا جی چاہے تو شادی کرلے" قیم نے بڑے فن کارانہ طریقے پر اس بھی کہانی کو شاہکار بنا دیا ہے۔

نور حسین، تجمل حسین، مظہر امید، عادل اور راؤ آنند نے بھی کچھ اچھے افسانے لکھے ہیں۔ گھر کی اسمبلی، عزت، چوڑیاں، ٹیکہ رشوت میں ایک لاش، ننگا گینڈا، ضرورت۔ دشمن، جھولا وغیرہ جنوبی ہند کے ماحول کی اچھی تصویریں ہیں۔ ہر ایک کے ہاں رچا ہوا انداز بیان، طنز و مزاح اور کردار نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں

میسور کے ان اردو افسانہ نگاروں کے ہاں مذہب کا ایک صالح تصور۔ تعمیر انسانی، علم و عمل، انسانی نفسیات، جیو اور جینے دو، سیاست بیزاری، ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھنے اور ایک صرف ایک عظیم قوم کا گہرا تصور، جیسے صحت مندانہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔